محمد عارف پٹھان*

اردو غزل میں متصوفانہ فکر کے اولین شعراء: خواجہ میر درد اور سچل سرمست

URDU GHAZAL FROM THE WORDS OF MIR & GHALIB
(Introspection of Delhi school of thought)

Abstract: *The research article titled "The Earliest Poets of Mystical Thoughts in Urdu Ghazal: Khawaja Meer Dard and Sachal Sarmast" explores how Urdu and Sindhi Ghazals originated with strong Sufi influences, gaining widespread acceptance. As the Qasidah declined, the Ghazal evolved independently, especially during the socio-political chaos of the 18th century—a time of national fragmentation, economic hardship, and foreign invasions.*
In this turbulent era, poets like Dard, Mir, and Saudah gave voice to the times with profound mystical expression. Dard and Sachal, in particular, shared intellectual harmony rooted in Sufi philosophy, promoting tolerance, equality, and spiritual reflection amidst societal decline. Their poetic contributions played a vital role in shaping the moral and philosophical outlook of their age.

Keywords: *Khwaja Meer Dard, Sachal Sarmast, Mutwaswafana Fikr, Urdu Ghazal.*

تلخیص: تحقیقی مضمون بعنوان "اردو غزل میں صوفیانہ فکر کے قدیم ترین شعراء: خواجہ میر درد اور سچل سرمست" میں بیان کیا گیا ہے کہ اردو اور سندھی غزل صوفیانہ خیالات کے تحت شروع ہوئی اور اس وجہ سے عوامی و سرکاری حلقوں میں جلد قبولیت حاصل کی۔
جہاں قصیدہ کا رواج کم ہوا، وہاں غزل نے خود کو ایک آزاد صنف کے طور پر قائم کیا، خاص طور پر اٹھارہویں صدی کے معاشی و سیاسی بحرانوں کے دوران، جب ملک تقسیم اور غیر ملکی حملے ہو رہے تھے۔
ایسی مشکلات کے باوجود، درد، میر اور سودہ جیسے شعراء نے گہری صوفیانہ شاعری کے ذریعے اس دور کی عکاسی کی۔ خصوصاً درد اور سچل کا فکری ہم آہنگی اور صوفیانہ فلسفہ، برداشت، مساوات اور روحانی فکر کو فروغ دیتا ہے۔ ان کی شاعری نے اس دور کے اخلاقی اور فلسفیانہ رجحانات کو مستحکم کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔

کلیدی الفاظ: خواجہ میر درد، سچل سرمست، متصوفانہ فکر، اردو غزل، رواداری، مساوات، فکری ہم آہنگی۔

”میرؔ کا سوز و گداز، مرزا مظہر جانِ جاناں اور خواجہ میر دردؔ کا تصوّف اور عاشقانہ مضامین اردو غزل کی جان ہیں۔ یہ زمانہ غزل کی ترقی کا زمانہ ہے۔ اس میں غزل مع اپنی تمام کرشمہ سازیوں کے زینتِ الفاظ وجدّتِ خیال سے آرستہ پیراستہ ہے۔ اس دورِ غزل کی خصوصیت یہ ہے کہ گُل و بُلبل، شمع و پروانہ اور قمری شمشاد کی محبت کے افسانے جنھیں فارسی شعراء مدّت سے باندھتے آرہے تھے۔ وہ اُردو میں بھی داخل ہوتے چلے گئے“

* پی ایچ ڈی اسکالر، ایسوسیئیٹ پروفیسر، گورنمنٹ ڈگری کالج، جیکب آباد۔

تہمتِ چند اپنے ذمے دھر چلے
جس لیے آئے تھے سو ہم کر چلے (۱)

غزل میں فلسفہ و تصوّف کی آمیزش کے حوالہ سے خواجہ میر دردؔ کے متعلق ڈاکٹر وقاراحمد رضوی نے نیاز فتحپوری (نقوش غزل نمبر فروری (۱۹۶۰ء) کے اس خیال کو نقل کرتے ہوئے لکھا ہے:

”غزل میں سب سے پہلی آمیزش فلسفہ و تصوّف کی ہوئی اور اس میں شک نہیں کہ جس نے اوّل اوّل غزل گوئی میں یہ مذہب اختیار کیا وہ سخت کافر انسان تھا جو ہمارے کرہءِ ارض کے دلبرانِ مہوش کی بارگاہ میں حُسن وخوبی کو ہمیشہ کے لیے ویران کر گیا“۔(۲)

غزل میں فلسفہ و تصوّف استعمال کرنے والا انسان سخت کافر انسان دردؔ تھا یا نہ تھا۔ یہ ایک الگ بات ہے۔ لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ تصوّف کے داخل ہونے سے غزل کے مضامین میں ترفّع اور بلندی پیدا ہوگئی۔ فلسفہ نے غزل کو عقل و دانش اور تصوّف نے اخلاق اور روحانیت سے قریب کیا اور یہ بتایا کہ یہ بھی ایک طرزِ زندگی ہے۔ محض شاہد و مینا ہی زندگی کا مقصد نہیں بلکہ اس کے ماورا بھی ایک عالم ہے جو خالقِ ہستی اور معبودِ حقیقی کے وجود کا تعین کرتا ہے اور بُتانِ مجازی کی بے لوث محبت اور احترامِ انسانیت کے ذریعہ اُسے وُسعت بخشتا ہے۔ کیونکہ یہ زندگی عارضی اور اعتباری ہے۔ یہاں کا سب عیش و تنعم مال و متاع ناپائیدار اور فانی ہے۔ اسی طرح سندھ میں اُردو شاعری کے ابتدائی و ارتقائی ادوار سے ہی صوفیانہ خیالات کا اظہار فروغ پانا شروع ہو گیا تھا:

”سندھ میں خصوصاً اُردو غزل میں علمِ عروض کے مطابق متصوّفانہ فکر کا آغاز کرنے والوں میں سچلؔ سرمست اور سیّد ثابت علی شاہ اوّلین شعراء میں شمار کیے جاتے ہیں“۔(۳)

شاعری چونکہ احساسات وجذبات کی گیرائی و گہرائی کی ترجمانی کا بہترین ذریعہ بھی سمجھی جاتی رہی ہے۔ لہٰذا صوفیائے کرام نے لوگوں کی اصلاح کے لیے اپنی تعلیمات نثر کی بجائے زیادہ تر شاعری کی صورت میں ہی پیش کی ہیں۔ خصوصاً ایشیائی ممالک (جنوبی و مشرقی) ایران، ہند اور سندھ سے تعلق رکھنے والے صوفیاء نے یہاں کی تہذیب و ثقافت میں رچی بسی شعریت و موسیقیت کا استعمال مذہبی ترویج و تبلیغ کے لیے بھی کیا اور اپنی تعلیمات کو شعر و سخن کے قالب میں ڈھال کر پیش کیا۔ گو آج کے دور میں کچھ حلقوں کی طرف سے تصوّف اور شاعری آؤٹ ڈیٹڈ تصوّر کیے گئے ہیں۔ جبکہ اس حوالہ سے جمال پانی پتی مجموعہءِ مضامین "ادب اور روایت" کے حصّہ "ادب" کے مضمون "آیاتِ جمال" میں یوں رقم طراز ہیں:

”آج کے دور میں تصوّف اور شاعری دونوں ہی بے عملی اور کاہلی کے مترادف ہو کر آؤٹ ڈیٹڈ چیز بن گئے ہیں، لیکن تصوّف کو انحطاط، بے عملی اور فرار کے مترادف ٹھہرا کر شاعری کے لیے شجرِ ممنوعہ قرار دینے والوں نے شاید کبھی تصوّف اور شاعری کے حقیقی ربط و تعلق پر سرے سے غور ہی نہیں کیا۔ ورنہ آج ہماری شاعری اتنی بے جان، اتنی بے تہ اور اتنی کھوکھلی نہ ہو کر رہ جاتی“۔(۴)

اُردُو اور سندھی شاعری بالخصوص غزل کا آغاز صوفیانہ خیالات کے ساتھ ہی ہوا۔ اسی لیے اسے ارتقائی مدارج سے ہی صوفیانہ خیالات کی بنا پر عوام و خواص میں جلد ہی پذیرائی حاصل ہوتی چلی گئی۔ مزید برآں جب اُردُو اور سندھی شاعری میں قصیدہ (جو بادشاہوں اور جرّی سپاہ کی شان میں شاعری) کی صنف دم توڑنے لگی تو اُس کی جگہ غزل (قصیدہ کے ابتدائی حصّہ نسیب کی شکل) نے اپنے ارتقائی مدارج و مراحل تیزی سے طے کرنا شروع کیے۔

ڈاکٹر انور سدید نے ”اُردُو کی ابتدائی نشوونما میں صوفیاء اور بھگتوں کا حصّہ “کے عنوان سے مولوی عبدالحق کے یہ الفاظ نقل کیے ہیں۔”سرزمینِ ہند (بشمول سندھ) جتنے بھی اولیا آئے یا یہاں پیدا ہوئے وہ عالم وفاضل ہونے کے باوجود (خواص چھوڑ کر) عوام سے انھی کی زبان میں بات کرتے اور تعلیم و تلقین فرماتے جو ایک بڑا گُر تھا جسے صوفیا خوب سمجھتے اور استعمال کرتے تھے“۔(۵)

وہ اُردُو غزل میں صوفیانہ افکار کے استعمال کے حوالہ سے لکھتے ہیں ”رمز و کنایہ کے ساتھ خصوصی مناسبت کی وجہ سے مسائلِ تصوّف کو اردو غزل میں شروع سے برتا گیا ہے“۔(۶)

گو صوفی شعراء کی ایک طویل فہرست ہے، تاہم ڈاکٹر انور سدید نے ”اردو ادب کی مختصر تاریخ“ میں محمد قلی قُطب شاہ کا اُردُو غزل میں متصوّفانہ افکار کے استعمال کرنے والے اوّلین شعراء میں شمار کیا ہے۔”محمد قلی قطب شاہ (متوفی ۱۶۱۱ ع) اُردُو کے پہلے غزل گو صاحبِ دیوان شاعر تسلیم کیے جاتے ہیں اور انھیں اسلام سے بھی گہری محبت تھی جس کا اظہار اُنھوں نے اپنے اشعار میں بھی کیا“۔

بسنت کھیلیں عشق کی آ پیارا
تمھیں ہیں چاند میں ہوں جو ستارا
مئے لالی سے سرخ زردی ہماری دور کر ساقی
مجالس زہرہ رقّاصی سے تو پُرنور کر ساقی
پیا باج پیالہ پیا جائے نا
پیا باج اک پل جیا جائے نا۔(۷)

ISSN NO. 1818-9296

حضرت گنج شکر، بو علی قلندر، امیر خُسرؔو، خواجہ بندہ نواز گیسو دراز، بھگت کبیر، گرو نانک، سلطان باہو، بلھے شاہ، ولؔی دکنی، دردؔ، سوؔدا اور میرؔ بھی اس روایت کے امین رہے ہیں۔ اُردو شاعری (غزل) میں تصوّف کے ابتدائی نقوش کے حوالے سے ان شعراء کے اشعار درج ذیل ہیں:

"وقتِ سحر وقتِ مناجات ہے ؎ سجن سکارے جائیں گے اور نین روئیں مریں گے روئے ؎ گوری سوئے سیج پر مکھ پر ڈارے کیس ؎ یوں کھوئے خودی اپنی خدا ساتھ محمدؐ ؎ کبیر سریر سرائے ہے کیا سوئے سکھ چین ؎ مویو پیاس نانک لہو پانی بابا اللہ اگم اپار نانک دنیا کیسی ہوئی نانک ہو رہو جیسے ننھی دوب ؎ ایمان سلامت ہر کوئی منگے عشق سلامت کوئی ہو ؎ سنو تم عشق کی بازی' ملائک ہوں کہاں راضی	خیز درآں وقت کہ برکات ہے (خواجہ فرید الدین گنج شکر م ۱۲۶۵ء) بدھنا ایسی رین کو' بھور کدھی نہ ہوئے (شیخ شرف الدین بو علی قلندر م ۱۳۲۳ء) چل خسرو گھر اپنے رین بھئی چو دیس (امیر یمین الدین ۱۳۲۴) جب گھل گئی خودی تو خدا بن نہ کوئی وسے (خواجہ بندہ نواز گیسو دراز ۱۴۲۲ء) سوانس نقارا باج کا باجت ہے دن رین (بھگت کبیر) سو رانڈ سہاگن نانوں پاک نائیں' پاک تھائیں' سچا پروردگار سالک مت رہیو کوئی سیسے گھاس چر جائیں گے' دوب خوب کی خوب (گرو نانک م ۱۵۳۸ء) منگن ایمان شرماون عشقوں' دل نوں غیرت ہوئی ہو (سلطان باہو م ۱۶۹۰ء) یہاں بر ہوں پر ہے گا جی ویکھاں پھر کون ہارے گا (بلھے شاہ م ۱۷۵۷ء)"۔ (۸)

ڈاکٹر انور سدید نے ولیؔ دکنی کے حوالہ سے "اوراق" سے ڈاکٹر وحید قریشی کے مضمون "مذاکرہ ولیؔ" سے یہ الفاظ نقل کیے ہیں:

"محبوب پرستی کی اس کھلی روش کے باوجود ولیؔ کی غزل میں تصوّف کے سلسلے کی چیزیں بہت کم ملتی ہیں"۔ (۹)

جبکہ اسی کتاب میں انھوں نے وزیر آغا "تنقید اور احتساب" کے حوالہ سے ولی دکنی کے بارے میں لکھا ہے "اور تھوڑے بہت مسائلِ تصوّف جو ہیں وہ ولیؔ کی واردات کا حصّہ نہیں بلکہ غزل کی روایت سے ولیؔ کے کلام میں آ گئے ہیں۔

ولیؔ اس گوہرِ کانِ حیا کی کیا کہوں خوبی
میرے گھر اس طرح آتا ہے جیوں سینے میں رازآوے"۔ (۱۰)

تاریخی حوالوں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اٹھارویں صدی عیسوی برِّصغیر کے تہذیبی زوال اور انتشار کی صدی کے نام سے جانی پہچانی جاتی ہے۔اس دور میں پورا ملک ٹکڑوں میں تقسیم ہوتا چلا جارہا تھا اور ہر ٹکڑا اپنی انفرادی بقاء کی جنگ لڑ رہا تھا۔ مغرب میں ابدالی، درّانی جبکہ مشرق میں انگریز دندناتے پھر رہے تھے۔ معاشی بدحالی اور عدم طمانیت عام ہوتی جارہی تھی۔اس ناآسودہ حالات میں خواجہ میر درؔد، سوداؔ اور میرؔ تین ایسے شعراء نے روحِ عصر کو ایک ایسی زبان بخش دی جس نے زوال پذیر عہد کو اعلیٰ شاعری سے آراستہ کیا۔ یہاں ان شعراء کے منتخب اشعار پیش کیے جاتے ہیں۔

واعظ کسے ڈرایئے یوم حساب سے
گریہ مرا تو نامہء اعمال دھوگیا
پھولیں گے اس زبان گلزارِ معرفت
یاں میں زمینِ شعر میں یہ تخم بوگیا۔ درؔد(۱۱)

اسی طرح پروفیسر ڈاکٹر قنبر دہلوی "اردو شاعری کا نظریاتی وفکری پہلو" میں سوؔدا کے فلسفۂ تصوّف کے حوالہ سے یہ اشعار پیش کیے گئے ہیں۔

"کوسوں کا نہیں فرق وجود اور عدم میں
قصّہ ہے تمام آمد وشد کا دو قدم میں
جز و کل میں فرق جتنا ہے فقط ہے اعتقاد
ورنہ جس خرمن کو دیکھا فی الحقیقت دانا تھا"۔ سوؔدا(۱۲)

جبکہ میر تقی میر کے حولہ سے یہ اشعار پیش کیے گئے ہیں۔

"ہے ماسواء کیا جو میر کہیے
آگاہ سارے اس سے ہیں آگاہ
جلوے ہیں اس کے شامیں ہیں اس کی
کیا روز کیا خور کیا رات کیا ماہ
ظاہر کہ باطن اوّل کہ آخر
اللہ اللہ' اللہ اللہ"۔ میؔر(۱۳)

جس طرح ہند کی اُردُو شاعری (غزل) میں متصوّفانہ افکار کو فروغ حاصل ہوا، وہیں دوسری طرف سندھ میں بھی یہ سلسلہ جاری رہا جو ایک طویل فہرست پر مشتمل ہے، تاہم یہاں سندھی شاعری (غزل) میں تصوّف کے ابتدائی نقوش کے حوالہ سے چنیدہ شعراء کے اشعار پیش کیے جاتے ہیں۔

سندھ میں عہدِ مغلیہ کے مقرر کردہ نواب مرزا شاہ حسن (جو اُس وقت حاکمِ سیہون تھے) کے دور میں بکھر کے قاضیءِ شہر قاضی قاضن (متوفی ۱۵۵۱ء) نے بھی صوفیانہ شاعری کی۔ جس کا تحریری ثبوت "سنڌ جي ادبي تاريخ" میں بھی موجود ہے: ع جوگی جاگایوس سُتو ھوس نںڈ (جوڳي جاڳايوس ستو هئس ننڊ) ترجمہ: جوگی نے جگایا ورنہ تو تھے خوابِ غفلت میں پڑے۔ (۱۴)

اسی کتاب میں شاہ عبدالکریم اور شاہ عبداللطیف سندھی شاعری (غزل) میں تصوّف کے ابتدائی نقوش کے حوالے سے اوّلین شعراء میں شامل رہے ہیں۔ "سنڌ جي ادبي تاريخ" میں شاہ کریم کے صوفیانہ مزاج کے حوالے سے درج ذیل اشعار پیش کیے گئے ہیں:

'پهرين پاڻ وڃاءِ، وڃائي هوءُ لهه تهان ڏارنه سپرين،منهن منجهاتي پاءِ هينون ڏجي حبيب کي،لڳ ڳڏ جن لوڪ ڪڏيون ۽ ڪروتون اي پڻ سڳرتوڪ(شاهه ڪريم)	پہلے بھلا خود کو، خود کو بھلا کے پا اُس کو نہ اُس پیارے سے ہو جدا، خود کے اندر جھانک دل دیجیے حبیب کو، جسم ہو ساتھ لوگوں کے ہوں کیوں نہ اس میں کیسے ہی نشیب و فراز'۔ (۱۵)

اسی طرح شاہ کریم کے پڑپوتے اور سندھی زبان کے عظیم شاعر شاہ عبداللطیف بھٹائیؒ کے کلام کی تقسیم کرتے ہوئے خان بہادر محمد صدیق میمن نے ان کے کلام پر رومی کے اثرات اور صوفیانہ مضمون کے حوالہ سے لکھا ہے:

'وڍيل تي واڪاڪري،ڪنل ڪوڪاري هن پنهنجاساريا،هوءَهنجون هاري'۔(۱۶)	کٹی ہوئی چیخے، ذبح کی ہوئی چلائے اس نے اپنوں کو یاد کیا، وہی نین بہائے

جبکہ شاہ لطیفؒ نے سُر یمن کلیان میں صوفیاء کے حوالہ سے لکھا ہے:

'صوفيءَ صاف ٿيو،ڌوئي ورق وجود جو تهان پوءِ ٿيو، جيئري پرين ءَجو'۔(۱۷)	صوفی نے صاف کیا، دھو کر ورق وجود کا اُس کے بعد ہوا، جیتے جی دیدار محبوب کا

لطف اللہ بدوی نے "تذکرہءِ لطیفی" میں سندھ کے فارسی گو اُردُو شعراء کے حالات اور کلام کو یکجا کیا ہے:

'۱۵۸۰ تا ۱۷۸۰ء دو سو (۲۰۰) سالہ عہد میں سندھ میں بلند پایہ صوفی شعراء ہو گزرے ہیں اور یہ عہد سندھ میں اُردُو کے حوالہ سے ادبی و تاریخی لحاظ سے دورِ زرّیں کہلاتا ہے۔ اس دور میں پہلے مغلیہ نواب پھر عباسی (کلہوڑا) حکمران رہے۔ انتظامی لحاظ سے سندھ دو حصّوں ٹھٹہ و بکھر (پرانا سکھر) میں منقسم رہا۔ سندھ کے اُردُو شاعروں میں میر معصوم شاہ بکھری کے چھوٹے بھائی میر فاضل بکھری کے شعر کا یہ ایک مصرع

ع بے چارہ آدمی ہے گرفتارِ کاروبار

۱۵۸۰ء/۹۸۸ھ میں لکھا گیا تھا اور میر فاضل بکھری اردو کے پہلے صاحبِ دیوان شاعر قلی قطب شاہ کے ہم عصر تھے۔ بعد ازاں عہدِ غلام شاہ کلہوڑا کے ملّا عبدالحکیم عطا ٹھٹوی (۱۶۳۰-۱۷۲۷ع) جو حضرت بابا فریدؒ اور امیر خسروؒ کے معاصر بھی رہے ہیں۔ ان تینوں کے کلام میں فارسی تراکیب والفاظ اور مصرعوں کا بے تکلف استعمال مقامی رنگ کی اندازِ شاعری، ہندی اور اُردو الفاظ کا بے ساختہ استعمال جیسی قدرِ مشترک پائی جاتی ہیں۔ ملّا عبدالحکیم عطا ٹھٹوی کا شمار بھی سندھ کے اوّلین اُردو صوفی شعراء میں کیا جاتا ہے۔ جن کا یہ مشہور شعر ہے:

ے ہر دم آدمی بے چارہ بے تاب
بہ غمہا غوطہ نوشا نوش رہتا'۔(۱۸)

سندھ میں اُردو شاعری دورِ اوّل (۱۵۸۰-۱۷۸۰ع) پھر دورِ دوم (۱۷۸۱-۱۸۴۲ع) کے شعراء میں سچل سرمست اور سیّد ثابت علی شاہ کے بعد سے یہ سلسلہ جاری و ساری ہے۔

- **دردؔ اور سچلؔ کے متصوّفانہ کلام میں فکری ہم آہنگی واختلاف**

دردؔ اور سچلؔ کے متصوفانہ کلام میں بڑی حد تک قدرِ مشترک فکری ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔

وحدت:

خواجہ میر دردؔ نے معرفت کے سبق کا آغاز توحید سے کیا ہے:

ے'جب سے توحید کا سبق پڑھتا ہوں
ہر حرف میں کتنے ہی ورق پڑھتا ہوں'۔(۱۹)

جبکہ سچل سرمست نے وحدّت کا اظہار اس طرح کیا ہے:

؎"توں"ہی ساں "توں" لبھیں "ماں"لبھاں"تو"ساں "توں"ہی آءُ سبھیں "لا"میں موجودات نی	تون هي سان توليين،مان ليان توسان، توهي آءُسيهين لاﮩ موجودات ني ترجمہ:"تجھ"سے"تو"ملے"میں ملوں"تجھ"سے "تو"یہ اور"میں سب"لا"میں تھے موجود'۔(۲۰)

غم وحزن:

اسی طرح غم وحزن میں بھی مذکورہ دونوں شعراء کے نظریات ایک طرح کے ہیں اور ان کا یہ غم وحزن دنیاوی نہیں ہے۔خواجہ میر دردؔ نے اپنا غم وحزن اس طرح سے بیان کیا ہے:

؎'واعظ کسے ڈرائیے ہے یوم حساب ہے
گریہ میرا نامہءِاعمال دھو گیا '۔(۲۱)

جبکہ سچلؔ سرمست نے اس کیفیت کا اظہار اس طرح سے کیا ہے:

؎'سوز و گداز مڑیو ئی معافی تھیو ماردمامیں دم عاشق انالحق جو	سوزو گدار ،يو معافي ٿيو، ماردمامین دم عاشق انالحق جو.'۔(۲۲)

ترجمہ:سوزو گداز سے جب ملی ہے معافی

تو پیٹو تم نغارہ عاشق انالحق کا

عظمتِ انسانی:

دردؔ اور سچلؔ انسان کی انسان سے محبت کے قائل رہے ہیں۔اور اس سلسلہ میں کسی قسم کی لسانی،علاقائی ومذہبی اور رنگ ونسل کی بلا تفریق صرف عظمتِ انسانی کو اہمیت دی ہے۔جیسا کہ خواجہ میر دردؔ کہتے ہیں:

؎'بستے ہیں تیرے سائے میں سب شیخ و برہمن
آباد ہے تجھ سے ہی تو گھر دیر و حرم کا'۔(۲۳)

اسی فلسفہ اور رواداری کا پرچار سچلؔ سرمست نے اس طرح سے کیا ہے:

؎ 'ہندو مؤمن سو تھیو بھول نہ بے کنھں پل خلق الاشیاء فھو عینھاءُ اھو آنڑُ عمل	ھندومومن سوٿيوڀول نہ ٻي ڪنھن پل، خلق الاشياءفھوعينھا،اھو آڻ عمل.'.(۲۴)

ترجمہ: ہندو مؤمن سو ہو، بھول نہ پھر کسی پل

خلق الاشیاء فھو عینھاءُ یہی ہے عمل

یا پھر سچل سر مست نے اسی بات کو اس انداز سے بھی کیا ہے:

؎ 'مذہبن ملک میں مانڑھوں منجھایا کے پڑھن نمازوں کن مندر وسایا اوڈ اکین آیا عقل وارا عشق کھے	مذھبن ملڪ ۾ ماڻھومنجھايا، ڪي پڑھن نمازون ڪن مندروسايا، اوڏاڪين آياعقل واراعشق ڪي'۔(۲۵)

(ترجمہ: مذاہب نے ملک میں انسانوں کو تذبذب میں ڈالا

کوئی پڑھے نمازیں، تو کسی نے ہے مندر بسایا

تو کس طرح پائیں عقل والے منزل عشق کی)

فلسفہء خیر و شر:

مگر جب ایک انسان کا تعلق دوسرے انسان سے قائم ہوتا ہے تو پھر خیر یا شر کا ٹکراؤ ہوتا ہے جس کا اظہار دردؔ نے اس طرح کیا:

؎ 'خیر و شر کو سمجھ کہ ہیں وہ زہر
سانپ کی زیست ہے تجھے سم ہے'۔(۲۶)

جبکہ اسی فلسفہ کو سچل سر مست نے اپنے کلام میں اس رنگ میں پیش کیا ہے:

؎ 'رخ پیا رنگ رنگ اُتے تھیءُ موج کھڑی چھولیں
چھول پئے خش خارا تارا ڈِتس سارا ، بحر وِچوں بد نیک گئے
(ترجمہ: رُخِ پیاکا رنگ رنگ اُس پہ موج کی لہریں اچھلیں
لہروں پہ خش وخارا تار کے دیا سارا، وسطِ بحر سے نیک وبد گئے)'۔(۲۷)

عقل و عشق:

عقل و عشق سے متعلق دردؔ اور سچل نے یکساں نظریہ پیش کیا اور سچل نے عشق کو عقل پر فضیلت بخشتے ہوئے کہا:

؎ 'مجھ کو تجھ سے جو محبت ہے

یہ محبت نہیں ہے آفت ہے
لوگ کہتے ہیں عاشق جس کو
میں جو دیکھا بڑی مصیبت ہے
بند احکامِ عقل میں رہنا
یہ بھی اک نوع کی حماقت ہے
ایک ایمان ہے بساط اپنی
نہ عبادت نہ کچھ ریاضت ہے
آ پھنسوں میں بتوں کے دام میں یوں
درؔد یہ بھی خدا کی قدرت ہے'۔(۲۸)

اور پھر یہی فلسفہ عشق سچل سرمست نے فارسی زبان میں یوں پیش کیا:

؎ 'گر بخوانی دو صد ہزار کتاب
مے شور بر تو صد ہزار حجاب
جز محبت ہمہ ست گمراہی
اے بجز درد زندگی ست عذاب
ایں طریقہ کدام مے باشد
کہ نہ تقویٰ نہ طاعت و نہ حساب
آشکارا گذر ز مذہب ہا
در رہِ عشق چہ گنہ چہ ثواب'۔(۲۹)

ترجمہ: 'پڑھ بھی لے تو صد ہزار کتاب

آڑے آئیں گے صد ہزار حجاب
جُز محبت ہے ساری گمراہی
ہو نہ گر دردؔ زندگی عذاب ہے
یہ طریقِ حیات کیسا ہے

کہ نہ تقویٰ نہ طاعت اور نہ حساب
آشکارا گریزِ مذہب سے
عشق کی راہ میں گناہ نہ ثواب'۔(۳۰)

الغرض دو عظیم شعرائے کرام کی فکری ہم آہنگی میں قدرِ مشترک پائی جاتی ہے۔اوران فکری مماثلتوں میں اختلاف نہ ہونے کے برابر ہے۔مذکورہ شعرائے کرام نے اپنی فکروفلسفہ کے ذریعہ یہاں کے لوگوں میں رواداری اور مساوات کو فروغ دیااور برّصغیر کے سیاسی وسماجی حالات میں جس قدر تیزی سے تبدیلی رونما ہورہی تھی۔ایسے گھمبیر حالات کے باوجود انھوں نے اپنے کلام اور فکروفلسفہ کی روشنی میں نہایت اہم کردار سرانجام دیا۔یہی وجہ ہے کہ ان کی خدمات کو کبھی فراموش نہیں کیاجاسکتا۔اگر آج کے دور میں دہشت گردی اور بدامنی سے نجات حاصل کرنی ہے توہمیں چاہیے کہ ہم خواجہ دردؔاور سچلؔ سرمست کے کلام اور پیغامِ محبت کو زیادہ سے زیادہ عام کریں اوراس پر عمل پیرا ہوں۔

حوالہ جات:

۱۔ وقاراحمد رضوی، ڈاکٹر، *تاریخ جدید اُردو غزل*، نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد(۲۰۰۰ء، طبع دوم)، ص ۵۲۔۵۱۔
۲۔ ایضاً، ص ۵۲۔
۳۔ جونیجو، عبدالجبار، پروفیسر ڈاکٹر، *سنڌي شاعريءَ تي فارسي جو اثر*، انسٹیٹیوٹ آف سندھالاجی، سندھ یونیورسٹی، ۱۹۸۰ء، ص ۸۶۔
۴۔ جمال پانی پتی، *ادب اور روایت*، حصہ "ادب"، مضمون "آیاتِ جمال"، المدثر اکیڈمی، کراچی، ۱۹۹۴ء، ص ۱۸۴۔
۵۔ انور سدید، ڈاکٹر، *اُردو ادب کی مختصر تاریخ*، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۹۱ء(طبع اوّل)، ص ۲۷۔
۶۔ ایضاً، ص ۵۸۔ ۷۔ ایضاً، ص ۱۱۲۔۱۱۱۔ ۸۔ ایضاً، ص ۸۰۔۶۹۔
۹۔ ایضاً، ص ۱۳۳۔ ۱۰۔ ایضاً، ص ۱۳۳۔
۱۱۔ دردؔ، *دیوانِ خواجہ میر درد*، مرتبہ ومقدمہ عبدالباری آسی لکھنوی، اُردو اکیڈمی سندھ، کراچی، ۱۹۵۱ء(اشاعتِ اوّل)، ص ۲۹۔
۱۲۔ قنبر دہلوی، پروفیسر ڈاکٹر، *اُردو شاعری کا نظریاتی وفکری مطالعہ*، مرتبہ پروفیسر نیاز احمد صدیقی، احمد اکیڈمی، کراچی، ۲۰۰۹ء، ص ۲۲۸۔
۱۳۔ ایضاً، ص ۱۸۹۔
۱۴۔ محمد صدیق میمن، خان بہادر، *سنڌ جي ادبي تاريخ*، انسٹیٹیوٹ آف سندھالاجی، یونیورسٹی آف سندھ، ۲۰۰۰ء(طبع چہارم)، ص ۲۸۔۲۷۔
۱۵۔ ایضاً(رسالہ کریمی بیت ۸)، ص ۳۸۔ ۱۶۔ ایضاً، ص ۸۲۔
۱۷۔ شاہ عبداللطیف، *شاہ جو رسالو*، شارح کلیان آڈوانی، سندھیکا اکیڈمی، کراچی، ۲۰۱۷ء، ص ۸۴۔
۱۸۔ احمد شمیم خاں، پروفیسر (مرتب)، *مطالعہ: سندھ میں اُردو شاعری*، نسیم بک ڈپو، حیدرآباد، ۱۹۷۶ء، ص ۷۔۱۲۔
۱۹۔ محولہ بالا *دیوانِ خواجہ میر درد*، ص ۱۰۶۔
۲۰۔ سچلؔ، *سچل سرمست*، مرتبہ ومترجم شفقت تنویر مرزا، لوک ورثہ(قومی ادارہ)، اسلام آباد، ۱۹۸۱ء، ص ۲۷۔

۲۱۔ محولہ بالا دیوانِ خواجہ میر درد، ص ۲۹۔

۲۲۔ سچل، رسالو سچل سرمست (سندھی کلام)، مرتبہ و مقدمہ عثمان علی انصاری، روشنی پبلیکیشنز، کنڈیارو، ۲۰۰۷ء، ص ۶۱۔

۲۳۔ محولہ بالا دیوانِ خواجہ میر درد، ص ۱۹۔

۲۴۔ محولہ بالا رسالو سچل سرمست، ص ۸۷۔

۲۵۔ بھٹی، رشید، تصوف اور کلاسیکی سندھی شاعری، سندھی ادبی سنگت، سندھ، ۲۰۱۰ء، ص ۴۷۔

۲۶۔ محولہ بالا دیوانِ خواجہ میر درد، ص ۴۸۔

۲۷۔ محولہ بالا سچل سرمست، ص ۳۵۰۔

۲۸۔ محولہ بالا دیوانِ خواجہ میر درد، ص ۸۶۔

۲۹۔ محولہ بالا سچل سرمست، ص ۳۶۲۔

۳۰۔ ایضاً، ص ۲۶۳۔

کتابیات:

۱۔ احمد شمیم خاں، پروفیسر (مرتب)، مطالعہ: سندھ میں اُردو شاعری، نسیم بک ڈپو، حیدر آباد، ۱۹۷۶ء۔

۲۔ انور سدید، ڈاکٹر، اُردو ادب کی مختصر تاریخ، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۹۱ء (طبع اوّل)۔

۳۔ بھٹی، رشید، تصوف اور کلاسیکی سندھی شاعری، سندھی ادبی سنگت، سندھ، ۲۰۱۰ء۔

۴۔ جمال پانی پتی، ادب اور روایت، حصہ "ادب"، مضمون "آیاتِ جمال"، المدثر اکیڈمی، کراچی، ۱۹۹۴ء۔

۵۔ جونیجو، عبدالجبار، پروفیسر ڈاکٹر، سنڌي شاعريءَ تي فارسي جو اثر، انسٹیٹیوٹ آف سندھالاجی، سندھ یونیورسٹی، ۱۹۸۰ء۔

۶۔ دردؔ، خواجہ میر، دیوانِ خواجہ میر درد، مرتبہ و مقدمہ عبدالباری آسی لکھنوی، اُردو اکیڈمی سندھ، کراچی، ۱۹۵۱ء (اشاعتِ اوّل)۔

۷۔ رضوی، وقار احمد، ڈاکٹر، تاریخ جدید اُردو غزل، نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد، ۲۰۰۰ء (طبع دوم)۔

۸۔ سچل سرمست، رسالو سچل سرمست (سندھی کلام)، مرتبہ و مقدمہ عثمان علی انصاری، روشنی پبلیکیشنز، کنڈیارو، ۲۰۰۷ء۔

۹۔ سچل سرمست، سچل سرمست، مترجم و مرتب شفقت تنویر مرزا، لوک ورثہ (قومی ادارہ)، اسلام آباد، ۱۹۸۱ء۔

۱۰۔ شاہ عبداللطیف، شاہ جو رسالو، شارح کلیان آڈوانی، سندھیکا اکیڈمی، کراچی، ۲۰۱۷ء۔

۱۱۔ قنبر دہلوی، پروفیسر ڈاکٹر، اُردو شاعری کا نظریاتی و فکری مطالعہ، مرتبہ پروفیسر نیاز احمد صدیقی، احمد اکیڈمی، کراچی، ۲۰۰۹ء۔

۱۲۔ محمد صدیق میمن، خان بہادر، سنڌ جي ادبي تاريخ، انسٹیٹیوٹ آف سندھالاجی، یونیورسٹی آف سندھ، ۲۰۰۰ء (طبع چہارم)۔

Bibliography:

1. Ahmad Shameem Khan, Professor (Murattib). Mutala‘a: Sindh mein Urdu Shayari. Hyderabad: Naseem Book Depot, 1976**.**
2. Anwar Sadeed, Dr. Urdu Adab ki Mukhtasir Tareekh. Islamabad: Muqtadra Qaumi Zaban, 1991 (First Edition)**.**

3. Bhatti, Rasheed. Tasawwuf aur Classic Sindhi Shayari. Sindh: Sindhi Adabi Sangat, 2010.
4. Jamal Panipati. Adab aur Riwayat, Hissa "Adab", Mazmoon "Aayat-e-Jamal." Karachi: Al-Mudassar Academy, 1994.
5. Junejo, Abdul Jabbar, Professor Dr. Sindhi Shayari te Farsi jo Asar. Jamshoro: Institute of Sindhology, Sindh University, 1980.
6. Dard, Khwaja Mir. Diwan-e-Khwaja Mir Dard, Murattib o Muqaddima: Abdul Bari Aasi Lucknawi. Karachi: Urdu Academy Sindh, 1951 (First Edition).
7. Rizvi, Waqar Ahmad, Dr. Tareekh-e-Jadeed Urdu Ghazal. Islamabad: National Book Foundation, 2000 (Second Edition).
8. Sachal Sarmast. Risaalo Sachal Sarmast (Sindhi Kalam), Murattib o Muqaddima: Usman Ali Ansari. Kandiaro: Roshni Publications, 2007.
9. Sachal Sarmast. Sachal Sarmast, Mutarjim o Murattib: Shafqat Tanveer Mirza. Islamabad: Lok Virsa (Qaumi Idara), 1981.

☆☆☆☆☆